

تہذیر کے

فیصلہ ہفت مسئلہ | حضرت حاجی امداد اللہؒ، جہاں بڑی

جمہور مسلمانوں کے دو بڑے گردہوں میں بعض مسکول کے متعلق یہ بن کی تقدیم عام طور سے رہتی ہے، شدید اختلافات پائے جاتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ ان میں سے کوئی مسئلہ بھی دین میں بنیادی تحریکیت نہیں رکھتا، لیکن اس کے باوجود انہیں مدار و دین بننا کر ایک دوسرے کی تکفیر دوار کھی جاتی ہے۔ چنانچہ اس سے مسلمانوں کے ہال اکب بہت بڑا فتنہ برپا ہو گی ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نے انہی سات مسکول کے متعلق ایک مختصر رسالہ رقم فرمایا تھا، جس میں ان مسکول کی وجہ سے جمہور مسلمانوں میں اختلاف کی خلیج پیدا ہو گئی تھی، اسے بھرتے کی سمجھی کی۔

علمکار اوقاف معزبی پاکستان کے شعبہ تعلیم و مطبوعات نے اس عرض سے اس رسالے کو طبع کرایا ہے کہ اس کی زیادہ نشر و اشاعت ہو۔ یہ رسالہ عوام تک پہنچے اور ان سات مسکول کے متعلق جمہور مسلمانوں میں بوجو احتلافات پیدا ہو گئے ہیں۔ دوران کے اندر ان کے بارے میں آئے دن بوز اعات اٹھتے ہستے ہیں، وہ ختم ہو جائیں۔ امتحان میں مخدود ہو اور مختصر ہو کر اپنے داخلی امور کی اصلاح کرے۔ اور اس وقت جن سنگین خارجی خطرات کا اسے سامنا کرنے پڑے وہا ہے، وہ ان سے عمدہ برا ہو سکے۔

علمکار اوقاف کا یہ اقدام نہایت منفرد اور بارکت ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اس رسالے کا خالص خواجہ اشرف نگاہ اور حاجی امداد اللہ صاحب کی ذات گرامی جو جمہور مسلمانوں کے ان دونوں مسکولوں کے لیے واجب الاحترام ہے، ان اختلافات کو ختم کرنے کا ذریعہ بنے گی۔ حضورت اس کی ہے کہ یہ رسالہ ہر اس شخص تک پہنچے، جو ان مسکولوں سے کچھ نیچو دلچسپی رکھتا ہے۔ یہ رسالہ جس انداز سے لکھا گیا ہے۔ اور حضرت حاجی صاحب نے اس میں بوزبان استعمال کی ہے، اس کی وجہ سے یہ سیدھا دل میں اُترے گا اور اس کا لازماً اثر ہو گا۔

حضرت حاجی صاحب اپنے وقت کے ایک نامی ہونے صاحبِ طلاقیت بزرگ تھے،

یکین اس کے ساتھ ساتھ وہ مولانا محبہ قادر اسم اور مولانا رشید احمد گلکوہی جیسے اس طین مسک دیوبند کے مرشد بھی تھے۔ حضرت حاجی صاحب کی یہی جامعیت ہے، جس نے ان کے زیر نظر رسائل کو غیر معمول اہمیت دی ہے۔ اور محلہ اوقاف نے اسے عام اشاعت کے لیے منتخب کیا ہے۔ یقیناً محلہ کے اس انتخاب پر کسی کو بھی اعتراض نہیں ہوگا۔ اور رب اس کی اس کوشش کا خیر مقدم کریں گے۔

اب ہم رسالہ نبیصلہ هفت مثلاً کے مندرجات پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

مولود شریف

پلامسلہ ہے مولود شریف۔ مولود شریف کو ایک معین تاریخ پر ایک مخصوص طریقے سے کرنا۔ اور پھر اس کے دوران قیام الحنی سلام پڑھنے کے وقت لکھڑا ہونا۔ حاجی صاحب لکھتے ہیں کہ بعض علماء ان باتوں کو بدعت سمجھ کر ان سے منع کرتے ہیں۔ اور اکثر علماء وجوہ سے اس کی اجازت دیتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر میں بروجہ فضیلت ہے۔

حضرت حاجی صاحب ان دونوں نقطوں نے نظر میں یوں تطبیق فرماتے ہیں :

(۱) اگر کوئی شخص میلاد میں اس قسم کی مخصوصی کی ہوئی باقیں (تاریخ، قیام وغیرہ) بعض اختیارات کا سمجھتا ہے۔ اور بذات خود عبادت نہیں سمجھتا بلکہ صرف مصلحت سے ان پر عمل کرتا ہے البتہ اپنے اس مقصد کو جس کے لیے وہ یہ سب کچھ کرتا ہے (یعنی حضور مسیح و کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے احترام کو اضرار و عبادات جانتا ہے تو یہ بدعت نہیں ہے۔

(۲) اگر کسی کا یہ عقیدہ ہے کہ خاص تاریخ پر مولود نہ پڑھائیں یا اس میں قیام نہ ہوا یا خوشبو اور رشیر یعنی کا انتظام نہ ہو تو اواب ہی نہ ملاؤ اس قسم کا عقیدہ ہے شک غلط ہے۔ کیونکہ یہ شریعت کی حد سے اُگے بڑھ جاتا ہے۔ اسی طرح مباح فعل کو حرام اور مگر اسی سمجھنا بھی غلط ہے۔

(۳) اعتقاد ایک اندرونی چیز ہے۔ بغیر دریافت کیے ہوئے اس کی کیفیت معلوم نہیں ہو سکتی۔ یہ بات ابھی نہیں ہے کہ چند ظاہری علامتوں کو دیکھ کر کسی پر بدگانی کی جائے۔ اس کی مثالی یہ ہے کہ بعض لوگ قیام نہ کرنے والوں پر علامت کرتے ہیں۔ یہ علامت یقیناً بے جا ہے۔ کیونکہ شرعاً اعتباً سے قیام واجب نہیں ہے۔

(۲) یہ عقیدہ کہ مجلس مولود میں حضرت پُر نو صلی اللہ علیہ وسلم روانی افروز ہوتے ہیں تو اس عقیدہ کا لکھر و شرک کہناحدہ ہے۔ یہ بات عقولاً ناقلاً مکن ہے۔ ... کسی ممکن بات کا اعتقاد کس طرح لکھر و شرک ہو سکتا ہے۔ . . .

مسلک زیر بحث کے جلوہ میں بیان کرنے کے بعد حضرت حاجی صاحب اس بارے میں اپنا ملک یوں واضح کرتے ہیں :

نقیر کام شریب یہ ہے کہ ممکن میلاد میں شریک ہوتا ہوں، بلکہ برکات کا ذریعہ بھجو کر سراسی منعقد کرتا ہوں۔ اور قیام میں لطف اور لفت پاتا ہوں۔ عمل و رکام اس سلسلے میں یہ رکشناچار ہے کہ پونکر یا اختلاف مسلک ہے۔ اور پر فرقی کے باس شرعی دلائل بھی ہیں، جسے اکثر اختلافی مسائل میں ہوا کرتے ہیں، پہاڑے توت یا ضفت کا فرق ہو، اسی یہ نو احص کوچاہتی ہے کہ جو ان کی تحقیق ہو، اس پر عمل رکھیں، ملکیں دوسرے فرقی کے ساتھ تعین اور کینہ نہ رکھیں۔ . . . بلکہ اس اختلاف کا حقیقی شاغری کے اختلاف کی مانند رکھیں۔ فاتحہ مردہ جہ

یست کی وجہ کو قابض پہنچانے میں اصولی طور پر کسی کو نہیں، لیکن یہاں بھی الگ کوئی اس ثواب کو منع نہیں پڑھے جو آج کل کی جاں فاتحہ میں رائج ہیں۔ یا ان باتوں کو واجب یا فرض تصور کرے تو یہ ممنوع ہو جائیں گی۔ اور الگ یہ عقیدہ نہیں ہے، بلکہ اس خاص شکل کو محض مصلحت سے اختیار کیا جائے تو کوئی ہرج نہیں۔ . . .

اس کے بعد حاجی صاحب نے فاتحہ کے ضمن میں بھروسیں رائج ہیں، وہ معاشر میں کس طرح ارتقا پذیر ہوئیں، اُسے بیان کیا ہے اور بتایا ہے، بعض مصطلحوں کے تختہ ایک ایک کر کے بندگی یہ رکھیں وجدوں میں آئیں۔ پھر ادا وہنم تھے:

قطع نظر ان مصطلحوں کے ان باتوں میں بعضی روایاتی اسرار بھی ہیں۔ برعکس الگ ایسی مصلحتیں ایک خاص شکل اختیار کرنے کا باعث ہوں تو کچھ مضمون تھے نہیں۔ اب ہمارا تک عوام کے خلوق کا تعلق ہے تو اس کی اصلاح کرنی چاہیے۔ اصل عمل کو بنی کرنے کی حضرت ہے۔ اور الگ عوام کی باتیں غلوکریں تو اس کے معنی نہیں کہ اہل فہم کا عمل خطط ہو گی۔

ایک مشہور حدیث ہے من تشبہ یقہ و فہم منہ مرد جس سے کسی قوم کی مشابحت اختیار

کی توجہ ان میں سے ہے)۔ عام طور پر ہمارے علماء بھجوٹی بر کی چیز میں دوسروں کے تشبہ کو اس حدیث کے حکم میں داخل کر لیتے ہیں۔ اور اس پر فتویٰ صادر کر دیتے ہیں۔ حضرت حاجی صاحب نے تشبہ کے مسئلے پر بحث کی ہے، فرماتے ہیں:

شبہ اس وقت تک رہتا ہے، جب تک وہ عادات اس قوم کے ساتھ الیٰ مخصوص ہوں کہ جو شخص یہ کام کرے اس پر لوگ حیرت کریں یاد، اسی قوم میں سے سمجھا جائے۔ جب وہ عادات دوسری قوموں میں پھیل کر عام ہو جائیں تو شبہ باتا رہتا ہے۔ درستہت کی عادات و رسوم غیر قوموں سے یہ گئے ہیں۔ اور مسلمانوں میں اس کثرت سے پھیل گئے ہیں کہ کسی عالم اور دوسریں کا گھر بھی اس سے خالی نہیں ہے۔ یہ سب باتیں بڑی تسلیمی سمجھی جا سکتیں۔

حاجی صاحب نے اپنے اس مسئلہ کی تائید میں اہل قبلہ کا داقعہ بیان کیا ہے کہ جب قرآن مجید میں ان کی پاکیزگی و طہارت پسندی کی تعریف آئی تو رسول اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس طہارت کے متعلق سوال کی تو انہوں نے بتایا کہ ہم نے اپنے پڑوی یہودیوں کو دیکھا وہ پانی سے استنجا کرتے ہیں تو ہم نے بھی یہی کرنا مشروع کیا۔ اس پر آپ نے اُن سے فرمایا کہ تم ایسا ہی کیا کرو۔

اس بحث کے بعد حاجی صاحب اصل مسئلے پر آتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

اُن اگر کوئی بات عام نہیں ہوئی اور اس غیر قوم کی مخصوصیت ہے تو شبہ ہو جاتا ہے، ہونش ہے۔ چنانچہ ثواب پہنچانے کی شکل جو اس زمانے میں رائج ہے، کسی ایک قوم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ حضرت غوث یاک قدس سرہ کی گیارہویں کی رسوم، دسوال، بیسوال، ہجوم، شستہاہی، برسی وغیرہ اور تو شریعہ حضرت شیخ احمد عبد الحق ردو لوہی رحمنۃ اللہ علیہ اور شیعہ مسیحی حضرت ابو علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ، شب برات کا حلوا، اور ایصالِ ثواب کے دوسرے طریقے اسی قاعدے پر مبنی ہیں۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

فیقر کا مشرب اس سلسلے میں یہ ہے کہ میں ان خاص شکلوں کا پابند نہیں ہوں۔ مگر کرنے والوں پر ایک اعلیٰ بھی نہیں کرتا۔ اس مسئلہ میں عمل درآمد ہو یہی رکھنا چاہیے، جو اور میاں اور شریف کے بارے میں بیان ہو چکا ہے۔ یعنی دونوں فریقی اپس میں ملے جائیں کر دیں۔ بحث و مباحثہ نہ کریں۔ ایک دوسرے کو دنایاں بدعتی نہ کمیں اور عوام کو غلوٰ اور بھکڑا کر کر نے سے منع کریں۔

عرس اور سماں

عرس کی رسم کس مقصد کے تحت جاری ہوتی، اور اس میں جو مختلف اعمال بجا لائے جانتے ہیں، وہ کم مصلحتوں کے نتیجے میں وجود میں آتے۔ حاجی صاحب اُن کامیابیاں کرنے کے بعد لکھتے ہیں: عرس کی اصلیت یہی ہے۔ اور اس میں کوئی ہرج نظر نہیں آتا، بلکہ بعض علماء احادیث سے اس کا جواز بھی نکالا ہے۔

ایک حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لا تتحنن واقعیت عینہ۔ (میری قبر کو میلہ مت بنانا)۔ حاجی صاحب لکھتے ہیں کہ اپنے قبر پر میلہ لگانے سے منع کیا ہے کیونکہ زیارت قبور عترت اور آخرت کو یاد دلانے کے لیے ہے نہ کہ غفلت اور زینت کے لیے۔ (اس حدیث کے) یہ معنی نہیں ہیں کہ قبر پر جمع ہونا منع ہے۔ ورنہ قافلوں کا روضہ اقدس کی زیارت کے لیے مدینہ طیبہ جانا بھی منع ہوتا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ غلط ہے۔

غرض بذاتِ خود رسم عرس کے متعلق حاجی صاحب کا فیصلہ یہ ہے: حقیقت یہ ہے کہ زیارت قبور اکیلے یا جماعت کے ساتھ دونوں طرح جائز ہے۔ اور ایصال ثواب پذیر یعنی تلاوت قرآن اور تقسیم طعام بھی جائز اور مصلحت سے خاص تاریخ کو مقرر کرنا بھی جائز اور یہ سب مل کر بھی جائز۔

باقی رہاسماں اس بارے میں حاجی صاحب کا ارشاد ہے:

سامع بذاتِ خود ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ بغیر ساز کے سامع میں بھی اختلاف ہے میں اس کے متعلق محققین کا قول ہے کہ اگر جو از کی شرطیں موجود ہوں اور فساد کرنے والی باتیں موجود نہ ہوں تو درست ہے۔ ورنہ نہیں۔ جیسے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں مفصل بیان کیا ہے۔ اور سانے کے راستے سامع میں بھی اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے ان حدیثوں کی تاویلیں کی ہیں، جن میں ساز منع معلوم ہوتے ہیں۔ اور اس سلسلے میں فقہ سے دلائل پیش کیے ہیں۔ اس سلسلے میں خود حاجی صاحب کا مسئلہ کہا ہے:

ہر سال اپنے پیر و مرشد کی روح مبارک کو ایصال ثواب کرتا ہوں۔ اول، قرآن خوانی ہوتی ہے۔ اور کبھی کبھی الگ وقت میں بخاشش، ہوئی قسم میں پڑھا جاتا ہے۔ پھر کھانا کھلا دیا جاتا ہے۔ اور اس کا

خواب بخش دیا جاتا ہے۔ اس سے زائد فقیر کی نادہت نہیں ہے۔ اور نبھی ساعع کا اتفاق ہوا ہے۔ نہ خالی مز ساز کے ساتھ۔ مگر دل سیں اہل حال پر کبھی اعتراض نہیں کی۔ آخر میں عرس نہ کرنے والوں اور کرنے والوں دونوں پر یہ تہذیب کیا ہے:

جو لوگ ذکریں تو اس بات کو ان کا کمال استیاع سنت کا شوق بھسو اور جو کریں، ان کو اہل محبت میں سے جاتیں اور ایک دوسرے پر انکار نہ کریں۔ اور عوام کی زیادتیوں کا لطف وزمی سے رونکنے کی کوشش کریں۔

غیر اللہ کو پکارنا

ہمارے ہاں یہ مسئلہ بھی سخت نزاع کا باعث رہا ہے کہ آیا "یا رسول اللہ" اور "یا شیخ عبدال تعالیٰ" کہ کر پکارنا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ اس بارے میں حاجی صاحب لکھتے ہیں:

یہ بات حدیث سے ثابت ہے کہ مانکر درود و شریف کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچاتے ہیں۔ اگر اسی اعتقاد سے کوئی اصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کے تو پچھو مضافات نہیں۔ ہاں اگر مشاہدہ نہ ہو رہا ہو۔ نہ پیغام پہنچانا مقصود ہوا ورنہ کوئی پیغام پہنچانے کے ذریعے کی کوئی ولیلی ہو تو اپسیا پکارنا منع ہے۔

اب رہا کسی دل کا اسی طرح پکارنا تو اس کے متعلق حاجی صاحب کی رائے یہ ہے:

مشلاً اگر کوئی کسی دل کو زور سے پکارتا ہے۔ اس طرح کہ ان کو شنا منظور ہوا ورنہ وہ روبرو ہیں اور نہ اس شخص کے پاس کوئی شرعی بحوت ہے کہ ان کو کسی ذریعہ سے خبر پڑجاتے گی تو یہ اعتقاد اسکے پھر بھجوٹے باندھنا ہے۔ اور علم غیب کا دعویٰ بھی ہے۔ بلکہ شرک سے ملتا جلتا ہے۔ مگر بدھ کے اس کو شرک اور کفر کہ دینا جانت کی بات ہے۔ کیونکہ ممکن ہے ائمۃ تعالیٰ ان بزرگ کو جزیرہ پھاؤے۔ اور کسی ممکن بات کا اعتقاد شرک نہیں ہو سکتا، لیکن بحثات ہو سکتی ہے، اس کا ہو جانا ضروری نہیں۔ اس لیے اس قسم کی بے معنی پکار کی اجازت نہیں ہے۔

"یا شیخ عبد القادر دشیم اللہ" کا جو وظیفہ پڑھا جاتا ہے، کیا وہ شرعاً جائز ہے یا، ناجائز۔

اس مسئلہ کا فیصلہ حاجی صاحب یہ کرتے ہیں:

اگر شیخ کا تصریف صحیق ہے تو یہ شرک کی طرف رہ جانے والی بات ہے۔ ہاں اگر وسیلہ یا

ذویع جانے یا ان الفاظ کو بابر کت سمجھ کر خالی الذین ہو کر پڑھنے تو کافی ہر ج نہیں۔ یہ اس مسئلے کی حقیقت ہے۔ اب بعض علماء اس قسم کی پکار کو منع کرتے ہیں۔ اس خیال سے کہ عام فرقہ مراتب نہیں کرتے۔ اُن کی نیت بھی اچھی ہے۔ انما الاعمال بالنبیات دیقیناً اعمال کا مدارات نیتوں پر ہے لگر مصلحت یوں ہے کہ اگر پکارنے والا بچھ دار ہو تو اس پر حسن فلن کیا جائے۔ اگر اس کے عقیدے میں کوئی خرابی ہو تو بالکل رد کر دیا جائے۔ لیکن ہر موقع پر اصل عمل سے منع کرنا معین نہیں ہوتا۔

یہاں حاجی صاحب نے انسانی نفیات سے اپنی گھری معرفت کا ثبوت دیتے ہوئے ایک

بڑے پتے کی بات کی ہے۔ فرماتے ہیں:

ایک بات یاد رکھنے کے قابل ہے، جو بہت جگہ کار آمد ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی غلط عمل میں مبتلا ہو اور اس کے حالات کو دیکھ کر یہ یقین ہو جائے کہ یہ شخص اصل عمل کو ترک نہ کرے گا تو اس موقع پر نہ تو اس کو اصل عمل کے بھروسے پر بھود کرے۔ لیکن کوئی سوائے فضاد اور رشمنی کے اور کوئی نیچہ نہ ہو گا۔ اور نہ اس کو بالکل آزاد اور بے لگام بھروسے۔ لیکن کوئی شریعتیت اور رخوت اسلامی کے خلاف ہے۔ بلکہ اصل عمل کی اجازت دے کر اس میں جو خرابی ہو، اس کی اصلاح کرے۔ اس میں قبول ہونے کی زیادہ امید ہے، سچی کمانہ تعالیٰ کا حکم ہے؛ ادْعُ إِلَيْ سَبِيلٍ دِينك بالحكمة والموعظة جماعت ثانیہ (یعنی مسجد دل میں ایک جماعت کے بعد و درمی جماعتیں کرنا)

حاجی صاحب لکھتے ہیں کہ اس مسئلے میں قدیم زمانے سے اختلاف ہے۔ امام ابو حیفہ رحمۃ اللہ علیہ دوسری جماعت کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ لیکن امام ابو یوسف بر حکمة اللہ علیہ بعض شرائط کے ساتھ اجازت دیتے ہیں۔

ال و نوں اقوال میں، حاجی صاحب یوں تطبیق دیتے ہیں کہ سنتی دکامی سے پہلی جماعت کو اس لیے چھوڑ دینا کہ دوسری جماعت ہو جائے گی، یہ مکروہ کے حکم میں آتا ہے۔ لیکن کسی معقول عذر سے پہلی جماعت رہ گئی تو دوسری جماعت کے ساتھ نماز فرضاً نہما پڑھنے سے بہتر ہے۔ اور اس بارے میں رفع نزع کے لیے وہ یہ معقول حل میشی کرتے ہیں:

بھائی دوسری جماعت نہ ہوتی ہو، وہاں تمہا پڑھ سے، نواہ نجواہ جماعت نہ کرے۔ اور بھائی ہوتی ہو اسٹریک ہو جائے اور خفا نکلت نہ کرے۔